بچّوں کے اقبالؔ

عادل اسیر دھلوی

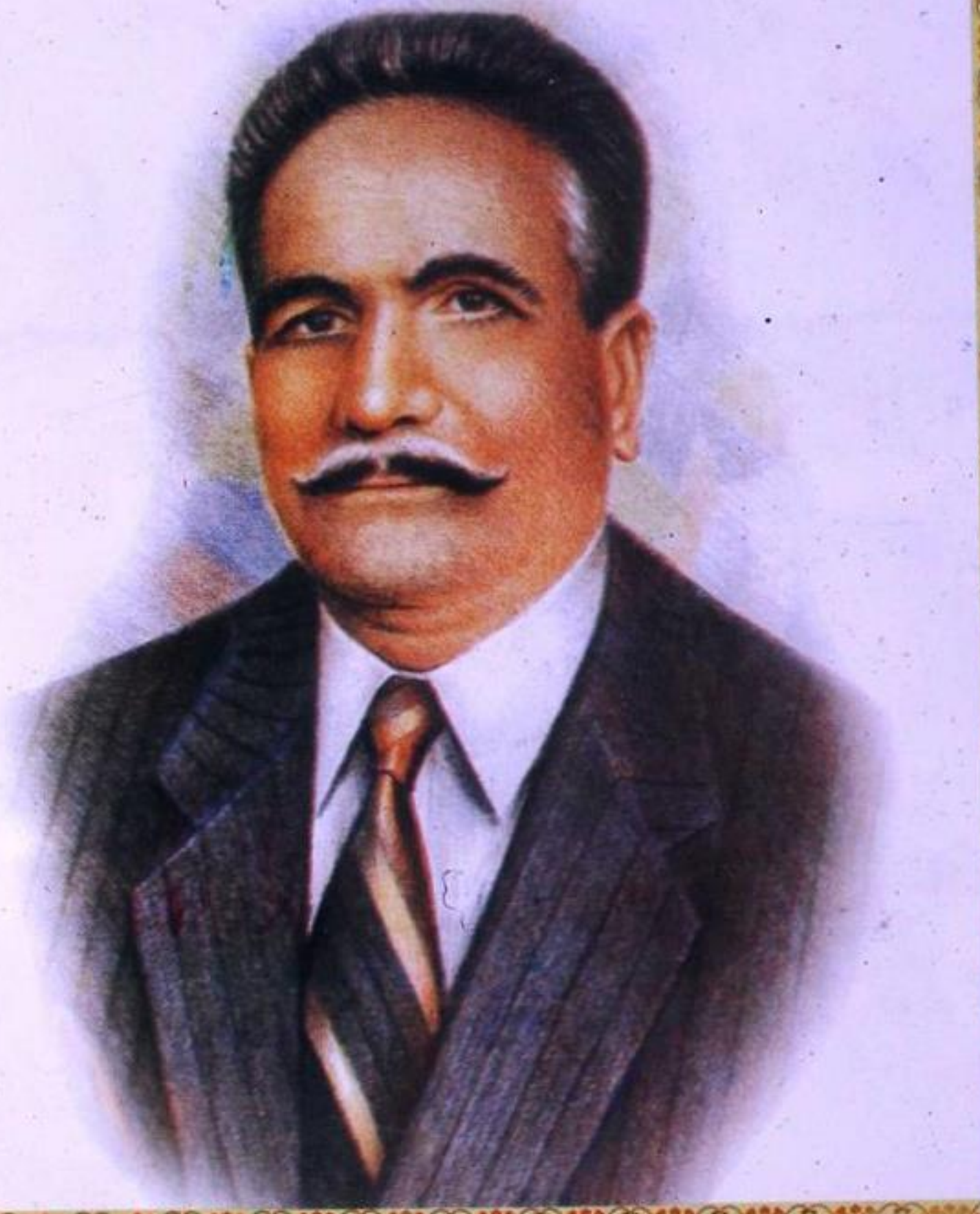

بچوں کے اقبالؒ

عادلؔ اسیر دہلوی

ملک بک ڈپو

3212، ترکمان گیٹ، دہلی- 110006

سلسلۂ مطبوعات ——— ۹

(جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ)

ISBN 81-87944-08-0

نام کتاب : بچوں کے اقبال

مؤلف : عادل اسیر دہلوی

صفحات : 60

تعداد : 1000

اشاعت ہفتم : 2009ء

قیمت : بیس روپے =/0ل

ناشر : ملک بک ڈپو

3212، ترکمان گیٹ، دہلی۔110006

مطبع : انیس آفسیٹ پرنٹرس

کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی۔110002

BACHCHON KE IQBAL

By: Aadil Aseer Dehlavi

MALIK BOOK DEPOT

3212, Turkman Gate, Delhi- 110006

E-mail: adabatfal@hotmail.com

Mobile:098 99 711 762

Price: Rs. 20/-

بچوں کے اقبالؒ

(فہرست)

سوانح حیات			۵
بچوں کے اقبالؒ			۱۵
بچوں کی نظمیں			۲۱
۱۔	بچے کی دعا	(ماخوذ)	۲۱
۲۔	ترانہ ہندی		۲۲
۳۔	ایک مکڑا اور مکھی	(ماخوذ)	۲۴
۴۔	ایک پہاڑ اور گلہری	(ماخوذ از ایمرسن)	۲۷
۵۔	ایک گائے اور بکری	(ماخوذ)	۲۹
۶۔	ہمدردی	(ماخوذ از ولیم کوپر)	۳۳
۷۔	ماں کا خواب	(ماخوذ)	۳۴
۸۔	پرندے کی فریاد		۳۶
۹۔	ہندوستانی بچوں کا قومی گیت		۳۸
۱۰۔	گھوڑوں کی مجلس		۴۰
۱۱۔	شہد کی مکھی		۴۵
۱۲۔	جہاں تک ہو سکے، نیکی کرو		۴۸
۱۳۔	چاند اور شاعر		۵۲
۱۴۔	محنت		۵۵
۱۵۔	بچوں کے لیے چند نصیحتیں		۵۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوانح حیات

شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال ۳ر ذیقعدہ ۱۲۹۴ھ (۹ر نومبر ۱۸۷۷ء) کو سیالکوٹ کی مسجد دو دروازہ کے شمال میں واقع کشمیری محلّہ کے ایک مکان میں پیدا ہوئے۔ یہ مکان علامہ اقبال کے دادا شیخ محمد رفیق نے ۱۸۶۱ء میں خریدا تھا۔ اقبال کے آباواجداد کشمیری ہندو برہمن تھے اور ان کی گوت "سپرو" تھی۔ سترہویں صدی میں ان کے اجداد نے اسلام قبول کیا۔ کافی عرصہ تک وہ سری نگر میں آباد رہے۔ لیکن وہاں کے ہندو راجہ کے مظالم سے تنگ آکر سری نگر سے ہجرت کر کے سیالکوٹ آگئے۔ جو پنجاب کا مشہور شہر ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اقبال کے جد اعلیٰ نے ایک سید بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کا نام محمد صالح رکھا گیا۔ علامہ اقبال کے دادا شیخ محمد رفیق کے دو بیٹے شیخ نور محمد اور شیخ غلام قادر تھے۔ جن میں سے اول الذکر شیخ نور محمد علامہ اقبال کے والد محترم تھے۔ شیخ نور محمد نہایت نیک اور صالح انسان تھے۔ تصوف سے ان کو بہت دلچسپی تھی۔ نماز روزہ کے پابند، متقی اور پرہیز گار آدمی تھے۔ علامہ اقبال کی والدہ محترمہ کا نام امام بی بی تھا۔ یہ سمبڑیال کے کشمیری گھرانے سے تھیں۔ بڑی نیک، پارسا اور عبادت گزار تھیں۔ ان پڑھ تھیں صرف نماز ازبر تھی۔ محلّہ کی عورتوں میں اپنے حسن سلوک کی وجہ سے نہایت مقبول تھیں اور محترم سمجھی جاتی تھیں۔ گھر کا سارا کام خود کرتی تھیں۔ ایثار و قربانی کا جذبہ اللہ نے ان کو خوب دیا تھا۔ خاندان کے تمام افراد ان کو "بے جی" کہتے تھے۔ علامہ اقبال بھی ان کو "بے جی" ہی کہا کرتے تھے۔

شیخ نور محمد کا گھرانہ پنجابی تھا۔ اس لیے گھر میں پنجابی زبان ہی بولی جاتی تھی، کیونکہ کافی عرصہ سے اب یہ لوگ پنجاب میں ہی آباد تھے۔ علامہ اقبال کی مادری زبان بھی پنجابی تھی۔ شیخ نور محمد کی شادی ۱۸۵۷ء سے کچھ پہلے ہوئی تھی۔ ان کے دو بیٹے شیخ عطا محمد، شیخ محمد اقبال اور تین بیٹیاں تھیں۔ شیخ عطا محمد زیادہ تعلیم حاصل نہیں کر سکے۔ انہوں نے نوجوانی میں ہی ملازمت کر لی تھی۔ اگرچہ شیخ عطا محمد خود زیادہ تعلیم

حاصل نہیں کر سکے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے بھائی شیخ محمد اقبال کی تعلیم میں خصوصی دلچسپی لی۔ ان کو اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ بھیجا۔ علامہ اقبال کو اپنی والدہ سے بہت محبت تھی۔ بھائی شیخ عطا محمد کا وہ بے حد احترام کرتے تھے۔ والد محترم سے خصوصی لگاؤ، عزت اور احترام کا اظہار علامہ اقبال نے متعدد بار کیا ہے۔

علامہ اقبال نے ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں مولانا سید میر حسن سے حاصل کی جو عربی فارسی کا بہترین ذوق رکھتے تھے۔ انہوں نے بچپن میں ہی ایک شاگرد کو غیر معمولی طور پر ذہین پایا تو اس کی تعلیم و تربیت میں خصوصی دلچسپی لی۔ علامہ اقبال نے بھی رات دن سخت محنت کر کے، عربی فارسی میں زبردست دستگاہ پیدا کر لی۔ مولانا میر حسن سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ سکاچ مشن ہائی اسکول سیالکوٹ میں داخل ہوئے۔ جہاں انہوں نے ۱۸۹۰ء میں مڈل اور ۱۸۹۲ء میں انٹرنس کے امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ بعد ازاں سکاچ مشن کالج سیالکوٹ میں داخل ہوئے۔ جہاں سے بالترتیب ۱۸۹۵ء اور ۱۸۹۷ء میں انہوں نے انٹر میڈیٹ اور بی اے کے امتحانات پاس کیے۔ ۱۸۹۹ء میں ایم اے کا امتحان گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کیا۔ بی اے کے امتحان میں امتیازی کامیابی حاصل کرنے پر ان کو یونیورسٹی کی طرف سے دو سونے کے تمغے بھی انعام میں ملے۔ گورنمنٹ کالج میں ان کی ملاقات پروفیسر آرنلڈ سے ہوئی جو فلسفہ کے استاد تھے۔ علامہ اقبال کو بھی فلسفہ

سے دلچسپی تھی۔ اس لیے کچھ ہی دنوں میں استاد اور شاگرد کے درمیان ذہنی ہم آہنگی کی وجہ سے دوستانہ تعلقات قائم ہوگئے۔ چنانچہ پروفیسر آرنلڈ کے مشورے پر ہی علامہ اقبال نے ایم اے کی تعلیم کے لیے فلسفہ کا مضمون لیا۔ ایم اے کے امتحان میں کامیابی کے بعد ان کا تقرر پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج میں بحیثیت عربی میکلوڈ ہو گیا۔

علامہ اقبال نے شاعری کی ابتداء سیالکوٹ میں ہی کر دی تھی۔ شروع میں ان کا انداز عاشقانہ تھا۔ بعد ازاں اکبر الہ آبادی کے تتبع میں طنزیہ شاعری کرنے لگے تھے۔ علامہ اقبال، اکبر الہ آبادی سے بہت متاثر تھے۔ مثلاً اُس دور کی اُن کی ایک رباعی جو "بانگ درا" میں ظریفانہ کلام کے تحت شامل ہے درج ذیل ہے ۔

مشرق میں اصول دین بن جاتے ہیں
مغرب میں مگر مشین بن جاتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پلے
واں ایک کے تین تین بن جاتے ہیں

علامہ اقبال نے یہ انداز جلد ہی ترک کر دیا اور دنیائے شاعری میں اپنی جداگانہ طرز ایجاد کی۔ جس کی تقلید کرنا آسان نہیں ہے۔

شاعری میں اصلاح انہوں نے نواب مرزا داغ دہلوی سے لی۔ تلمذ کا یہ رشتہ انہوں نے بذریعہ خط و کتابت قائم کیا تھا۔ جلد ہی داغ صاحب نے ان کو فارغ الاصلاح قرار دے دیا اور علامہ اقبال باقاعدہ

شاعری کرنے لگے۔ اس دوران انہوں نے اپنی بعض مشہور نظمیں "انجمن حمایت الاسلام" کے جلسوں میں پڑھیں۔ اب وہ مشاعروں میں بھی شرکت کرنے لگے۔ علامہ اقبال اپنی نظمیں ترنم سے پڑھا کرتے تھے۔ آواز میں زبردست سوز تھا۔ جب آپ ترنم سے اپنی کوئی نظم سناتے تھے تو سماں بندھ جاتا تھا۔

پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور میں تدریس کے دوران آپ نے علمی کام بھی کیا اور ایک کتاب "علم الاقتصاد" کے نام سے لکھی یہ آپ کی پہلی باقاعدہ تصنیف تھی۔ کچھ مدت کے بعد علامہ اقبال گورنمنٹ کالج میں فلسفہ کے اسسٹنٹ پروفیسر ہوگئے۔

۱۹۰۱ء میں سر شیخ عبدالقادر نے ادبی رسالہ "مخزن" جاری کیا تو اقبال کی نظمیں اس میں شائع ہونے لگیں۔ علاوہ ازیں دیگر رسالوں اور اخباروں کے مدیران کی طرف سے بھی فرمائش آنے لگی۔ اس طرح آہستہ آہستہ ان کا کلام ہندوستان گیر شہرت حاصل کرنے لگا۔ ۱۹۰۴ء میں آپ نے مشہور قومی ترانہ "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" لکھا۔ اس دور کی متعدد نظموں میں آپ نے وطنیت سے بھرپور جذبات کا اظہار کیا ہے۔

۱۹۰۵ء میں علامہ اقبال نے تین سال کی طویل رخصت لی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ روانہ ہوگئے۔ انگلستان پہنچ کر انہوں ٹرینٹی کالج کیمبرج میں داخلہ لے لیا۔ علامہ اقبال کے پرانے استاد پروفیسر

آرنلڈ بھی یہاں موجود تھے۔ اس طرح فلسفہ کی طرف ان کا رجحان بڑھنے لگا۔ کیمبرج میں قیام کے دوران انہوں نے اسلامی فلسفہ کا بھی گہرائی سے مطالعہ کیا۔ وہ یورپی مفکرین سے مرعوب نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے اسلامی فکر اور یوروپی فکر کا موازنہ کیا۔ جس سے حاصل ہونے والے نتائج نے ان پر مغربی افکار کے مضر اثرات نمایاں کر دیے۔ جن کا اظہار انہوں نے بار بار اپنی شاعری میں کیا ہے۔

پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری کے لیے انہوں نے ایران کی مابعد الطبعیات کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ جس کے لیے ان کو جرمنی جانا پڑا۔ مقالے کی تیاری کے سلسلے میں ان کا قیام برلن، میونخ اور ہائیڈل برگ میں رہا۔ لندن میں قیام کے دوران ان کی ملاقات عطیہ بیگم فیضی سے ہوئی۔ سر شیخ عبدالقادر بھی ان دنوں لندن میں تھے۔ علامہ کا ان دونوں سے گہرا دوستانہ تعلق زندگی بھر قائم رہا۔

علامہ اقبال نے یورپ میں قیام کے دوران اپنی زیادہ توجہ تعلیم کی طرف دی۔ شاعری بہت کم کی۔ ان کا بیشتر وقت غور و فکر کرتے ہوئے گزرتا تھا۔ اب ان کی فکر محدود وطنیت سے نکل کر عالم گیر ہوتی جارہی تھی۔ ان کو مسلمانوں کی پستی کا احساس شدت سے ہونے لگا۔ یورپ میں قیام کے دوران ظہور پذیر ہونے والے ان کے افکار کا موضوع اسلام ہی ہے۔ اب ان کی فکر میں ملی وحدت کا اظہار ہونے لگا تھا۔

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

جولائی ۱۹۰۸ء میں علامہ اقبال یورپ میں تین سال قیام کے بعد وطن واپس آگئے۔ ان کی سوچ میں ایک زبردست انقلاب برپا ہو چکا تھا۔ انہوں نے لاہور میں قیام کیا اور بیرسٹری کا پیشہ اختیار کیا۔ کچھ عرصہ گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کے استاد کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ سر شیخ عبدالقادر بھی اب واپس لاہور آگئے تھے۔ علامہ اقبال سے ان کی اکثر ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔

علامہ اقبال نے یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں۔ پہلی شادی گجرات کے رئیس خان بہادر ڈاکٹر عطا محمد خان کی بڑی بیٹی سے ہوئی جن سے ایک بیٹی مریم اور ایک بیٹا آفتاب اقبال پیدا ہوئے۔ علامہ اقبال کی یہ شادی کامیاب نہیں رہی اور وہ اپنے گھر جا کر بیٹھ گئیں۔

دوسری بار کشمیری خاندان کی ایک لڑکی سے علامہ کا نکاح ہوا مگر رخصتی عمل میں نہیں آئی تھی۔ اسی دوران علامہ کے نام کچھ گمنام خطوط آنے لگے جن میں ان کی منکوحہ پر طرح طرح کے الزامات لگائے گئے۔ جس کی وجہ سے اقبال ان کی طرف سے بدظن ہو گئے۔

کچھ عرصہ بعد لدھیانہ سے ایک لڑکی کا رشتہ آیا جسے علامہ اقبال نے قبول کر لیا۔ شادی کے بعد جب ان کی بیوی لاہور گئیں تو گجرات والی بیگم بھی پہنچ گئیں اور دونوں علامہ اقبال کے ساتھ ان کے انارکلی

والے مکان میں رہنے لگیں۔

ادھر علامہ اقبال کی دوسری بیوی کی طرف سے پھر سلسلہ شروع ہوا۔ انہوں نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ ان کی بیوی پر لگائے گئے الزامات بے بنیاد تھے۔ کسی نے اپنی ذاتی غرض کی وجہ سے شادی میں رخنہ ڈالا تھا۔ لڑکی نے علامہ اقبال کو خط لکھ کر کہا کہ میں دوسری شادی کا تصور بھی نہیں کر سکتی اسی حالت میں ساری زندگی بسر کروں گی۔ علامہ اقبال نے متاثر ہو کر ان سے دوبارہ نکاح کر لیا جن سے جاوید اقبال اور منیرہ پیدا ہوئے۔

علامہ اقبال کی پہلی بیوی کا ۱۹۴۷ء میں، لدھیانہ والی بیوی کا ۱۹۲۴ء میں اور تیسری بیوی کا ۱۹۳۵ء میں انتقال ہوا۔

۱۹۲۳ء میں علامہ اقبال کو حکومت برطانیہ نے سر کا خطاب عطا کیا۔ آپ کی شہرت ہندوستان میں ہر جگہ پھیل چکی تھی۔ اب علامہ اقبال نے سیاست میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔

علامہ اقبال نے اپنے منظوم افکار کے لیے اردو اور فارسی دونوں زبانوں کو ذریعہ اظہار بنایا۔ نثر میں انہوں نے انگریزی زبان بھی استعمال کی۔ آخر کار ۳/ دسمبر ۱۹۲۴ء میں ان کا پہلا اردو مجموعہ کلام "بانگ درا" شائع ہوا۔ جنوری ۱۹۳۵ء میں "بال جبریل" چھپا جس کا نام انہوں نے پہلے "نشان منزل" رکھا تھا۔ جولائی ۱۹۳۶ء میں "ضرب کلیم" جس کا نام پہلے انہوں نے "صور اسرافیل" رکھا تھا چھپ کر منظر عام پر آئی۔

نومبر ۱۹۳۸ء میں ان کی وفات کے بعد "ارمغان حجاز" (حصہ اردو) شائع ہوا۔

فارسی زبان میں ان کا پہلا مجموعہ "اسرار خودی" ۱۲ر ستمبر ۱۹۱۵ء میں چھپا۔ "رموز بے خودی" ۱۰ر اپریل ۱۹۱۸ء میں منظر عام پر آئی۔ "پیام مشرق" مئی ۱۹۲۳ء میں، "زبور عجم" جون ۱۹۲۷ء میں، "جاوید نامہ" فروری ۱۹۳۲ء میں، "مسافر" ۱۹۳۴ء میں، "مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" اکتوبر ۱۹۳۶ء میں اور ارمغان حجاز (فارسی) نومبر ۱۹۳۸ء میں ان کی وفات کے بعد چھپ کر منظر عام پر آئے۔ ان کے علاوہ نثر میں "علم الاقتصاد"، "ایران میں فلسفہ الہیات کا ارتقاء" (انگریزی) "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" (انگریزی) میں شائع ہوئیں۔ علامہ اقبال نے درسی کتابیں بھی مرتب کیں۔ "آئینہ عجم" اور "تاریخ ہند" جیسی کتابیں بھی تصنیف کیں۔

عمر کے آخری دور میں آپ بیمار رہنے لگے تھے۔ علالت کا آغاز ۱۹۳۴ء سے ہی ہو گیا تھا۔ وفات سے کچھ عرصہ پہلے آپ حجاز جانے کا مصمم ارادہ کر چکے تھے۔ آخری ایام میں دمہ کی زبردست شکایت ہو گئی تھی جس کی وجہ سے آپ کو سانس لینا بھی مشکل ہوتا تھا۔ آخر کار مرض الموت نے آپ کو جانبر نہ ہونے دیا۔ ۲۱ر اپریل ۱۹۳۸ء کو ملت اسلامیہ کا یہ عظیم فرزند صبح اذان کے وقت ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا، ان للہ وانا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ شاہی مسجد لاہور میں

ادا ہوئی اور اسی مسجد کے جنوب مشرق مینار کے سائے میں تدفین ہوئی۔ ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ علامہ اقبال کی موت پر مولانا ظفر علی خان نے ٹھیک ہی کہا تھا۔

گھر گھر یہی چرچے ہیں کہ اقبال کا مرنا
اسلام کے سر پہ ہے قیامت کا گزرنا
تھا اس کے تخیل کا فسوں جس نے سکھایا
سو سال کے سوئے ہوئے جذبوں کا ابھرنا
ہر روز دیا اس نے مسلماں کو یہی درس
ہرگز نہ کسی سے بجز اللہ کے ڈرنا
ملت کو نئی زندگی اقبال نے بخشی
ممکن نہیں اس بات کا اقرار نہ کرنا

بچوں کے اقبالؒ

علامہ اقبال بچوں کو بے حد پسند کرتے تھے۔ انہوں نے بچوں کے لیے متعدد نظمیں لکھیں۔ جن میں سے پندرہ نظمیں ہماری دسترس میں ہیں۔ ہو سکتا ہے انہوں نے اور نظمیں بھی بچوں کے لیے لکھی ہوں۔ جن تک ہماری رسائی یا تو ابھی تک نہیں ہو سکی یا وہ ضائع ہو گئیں۔

"بانگ درا" میں نو نظمیں ایسی ہیں جن میں نظم کے عنوان کے نیچے "بچوں کے لیے" لکھا گیا ہے۔ چھے نظمیں غیر مدون ہیں جن کو یا تو انہوں نے دانستہ خارج کر دیا یا کسی وجہ سے وہ اس وقت ان کو دستیاب نہ ہو سکیں اور "بانگ درا" میں شامل ہونے سے رہ گئیں۔ مثلاً "شہد کی مکھی"، "چاند اور شاعر" اور "محنت" وغیرہ ایسی نظمیں ہیں جن کو وہ آسانی سے "بانگ درا" میں شامل کر سکتے تھے۔ بہر حال ان غیر مدون نظموں کو بھی کیونکہ "بچوں کے لیے" ہی لکھا گیا تھا اس لیے ان کو بھی اس کتاب میں شامل کر لیا گیا ہے۔

"بانگ درا" میں موجود نظموں میں اشاعت سے پہلے علامہ

اقبال نے ترمیم و تنسیخ کی ہے۔ کچھ اشعار نکال دیے ہیں۔ میں نے ان کو شامل نہیں کیا ہے۔ بلکہ جس طرح وہ "بانگ درا" میں موجود ہیں اسی طرح نقل کر لیا ہے۔ باقی ماندہ چھے غیر مدون نظموں کے ساتھ ایسا کوئی معاملہ پیش نہیں آیا کہ انہوں نے نظر ثانی کی ہو۔ اس لیے وہ جس طرح ملی ہیں اسی طرح شامل کر لی ہیں۔

انتخاب میں ایسی کوئی نظم شامل نہیں کی ہے جو علامہ اقبال نے بچوں کے لیے نہیں لکھی ہو مثلاً "عہد طفلی"، "ایک پرندہ اور جگنو"، "طفل شیر خوار" وغیرہ ایسی نظمیں ہیں جن کو اس کتاب میں آسانی سے شامل کیا جا سکتا ہے۔ مگر ان کا سمجھنا بچوں کے لیے آسان نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نظمیں انہوں نے بچوں کے لیے نہیں لکھی ہیں۔

غیر مدون نظموں کو اگرچہ علامہ اقبال نے اپنے کسی مجموعے میں شامل نہیں کیا ہے۔ پھر بھی ان کی اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ اقبال نے بچوں کے لیے کم لکھا ہے لیکن اس مختصر منظوم کلام سے بھی یہ بات صاف طور پر ظاہر ہو جاتی ہے کہ ان کو بچوں سے ایک خصوصی تعلق تھا۔ وہ بچوں کی اہمیت سے واقف تھے۔ ان کی نظر میں بچوں کی تربیت بھی ضروری تھی۔ جب ہی تو انہوں نے بچوں کے لیے نصیحت آموز اخلاقی نظمیں لکھیں۔ اگرچہ ان میں سے بیشتر نظمیں ماخوذ ہیں اور ایک طرح سے آزاد ترجمے کا درجہ رکھتی ہیں۔ مثلاً "ایک مکڑا اور مکھی"، "ایک پہاڑ اور گلہری"، "ایک گائے اور بکری"، "بچے کی دعا"

"ہمدردی"، "ماں کا خواب" اور "گھوڑوں کی مجلس" وغیرہ نظمیں علامہ اقبال کی طبع زاد نہیں ہیں بلکہ ماخوذ ہیں۔ "جہاں تک ہو سکے نیکی کرو" مولانا اسماعیل میرٹھی کی نظم "بارش کا پہلا قطرہ" سے ماخوذ نظر آتی ہے۔ ہو سکتا ہے بعض دیگر نظموں میں بھی کچھ اشعار ماخوذ ہوں۔ جن کی وجہ سے علامہ اقبال نے ان کو منسوخ کر دیا ہو۔ مثلاً "محنت" اور "بچوں کے لیے چند نصیحتیں" ایسی نظمیں ہیں جن میں موجود بعض اشعار کے خیالات مولانا الطاف حسین حالی کے کلام میں بھی مل جاتے ہیں۔

علامہ اقبال نے بچوں کے لیے لکھتے وقت ان کی استعداد کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ پندرہ نظموں میں مشکل سے چند الفاظ ایسے ہوں گے جن کے معنی بچوں کو معلوم نہ ہوں۔ تمام نظمیں نہایت دلچسپ اور سبق آموز ہیں۔

چوبیس اشعار پر مشتمل نظم "ایک مکڑا اور مکھی" بے حد دلچسپ اور معنی خیز ہے۔ نظم کی شروعات درج ذیل اشعار سے ہوتی ہے ؎

اک دن کسی مکھی سے یہ کہنے لگا مکڑا
اس راہ سے ہوتا ہے گزر روز تمھارا
لیکن مری کٹیا کی نہ جاگی کبھی قسمت
بھولے سے کبھی تم نے یہاں پاؤں نہ رکھا

مکھی کو معلوم ہے مکڑا اس کا دشمن ہے۔ اگر وہ اس کے گھر چلی گئی تو جال میں پھنس کر رہ جائے گی۔ جس سے نکلنا اس کے لیے ناممکن ہو گا۔ اس

لیے جواب دیتی ہے۔

مکھی نے سنی بات جو مکڑے کی تو بولی
حضرت! کسی نادان کو دیجے گا یہ دھوکا
اس جال میں مکھی کبھی آنے کی نہیں ہے
جو آپ کی سیڑھی پہ چڑھا، پھر نہیں اترا

مکڑا بے چارہ بہت بھوکا ہے۔ وہ چاہتا ہے مکھی کسی طرح اس کے جال میں پھنس جائے تاکہ وہ اس کو کھا کر اپنی بھوک مٹا سکے۔ اس لیے ایک بار پھر مکھی کو رجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ کہتا ہے خدا جانے کہاں سے اڑتی ہوئی آئی ہو۔ اگر تھوڑی دیر میرے گھر میں آرام کرو تو کیا مضائقہ ہے۔ مکھی صاف انکار کر دیتی ہے اور کہتی ہے۔

مکھی نے کہا: خیر! یہ سب ٹھیک ہے لیکن
میں آپ کے گھر آؤں، یہ امید نہ رکھنا!

جب کوئی ترکیب مکھی کو پھانسنے کے لیے مکڑے کی کام نہیں کرتی ہے تو وہ خوشامد کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔

یہ سوچ کے مکھی سے کہا اس نے بڑی بی!
اللہ نے بخشا ہے بڑا آپ کو رتبا!
ہوتی ہے اسے آپ کی صورت سے محبت
ہو جس نے کبھی ایک نظر آپ کو دیکھا

خوشامد بھری باتیں سن کر مکھی کا دل نرم ہو جاتا ہے۔ اور وہ مکڑے کے

جال میں پھنس جاتی ہے۔ اس نظم میں علامہ اقبال نے بچوں کو جھوٹے خوشامدیوں سے خبردار رہنے کی تلقین کی ہے۔ "ایک پہاڑ اور گلہری" میں بتایا ہے کہ دنیا میں ہر چیز کی اپنی ایک اہمیت ہے۔ اللہ نے کسی کو بے کار پیدا نہیں کیا ہے۔ بارہ اشعار پر مشتمل اس نظم کا درج ذیل شعر بنیادی مفہوم کا حامل ہے ؎

ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
کوئی بڑا، کوئی چھوٹا، یہ اس کی حکمت ہے

"ایک گائے اور بکری"، اس نظم میں انتیس اشعار ہیں۔ گائے بکری سے انسان کے مظالم بیان کرتی ہے۔ لیکن تصویر کا صرف ایک رخ ہی اس کے سامنے ہے۔ بکری گائے کو انسان کے احسانات بتاتی ہے۔ جن کو سن کر گائے اپنی غلطی محسوس کرتی ہے اور پشیمان ہو کر کہتی ہے ؎

یوں تو چھوٹی ہے ذات بکری کی
دل کو لگتی ہے بات بکری کی

"بچے کی دعا"، چھے اشعار پر مشتمل آسان زبان میں خوبصورت نظم ہے۔ شروع سے آخر تک نظم میں بچوں کی رہنمائی کے لیے قیمتی باتیں موجود ہیں۔ نظم کی ابتدا درج ذیل شعر سے ہوتی ہے ؎

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

"ہمدردی" میں آٹھ اشعار ہیں جس میں علامہ اقبال نے بچوں کو بتایا ہے ؎

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

"ماں کا خواب"، پندرہ اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ نظم دراصل ان والدین کے لیے ہے جو اپنے بچوں کی موت پر بہت زیادہ روتے ہیں۔ ان کو صبر کا راستہ اختیار کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ "پرندے کی فریاد" گیارہ اشعار کی پُراثر نظم ہے جس کا ہر شعر درد والم میں ڈوبا ہوا ہے۔ "ترانہ ہندی" نو اشعار پر مشتمل ہندوستانی قومی ترانہ ہے۔ جس کا ہر شعر اپنی سادگی اور معنویت میں بے مثال ہے ؎

سارے جہاں اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

"ہندوستانی بچوں کا قومی گیت" مذہبی رواداری اور وطنیت سے بھرپور نظم ہے۔ "گھوڑوں کی مجلس" دراصل "ایک گائے اور بکری" والے موضوع پر مشتمل ہے۔ جس میں انتالیس اشعار ہیں۔ "شہد کی مکھی" اور "محنت" میں کام کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ "جہاں تک ہو سکے نیکی کرو" میں بتایا گیا ہے کہ کسی بھی اچھے کام کو کرنے میں تاخیر مناسب نہیں۔ اس سلسلے میں کسی کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ یہ نظمیں بالترتیب چوبیس اور اکتیس اشعار پر مشتمل ہیں۔ "چاند اور شاعر"، چوبیس اشعار کی اس نظم میں علم حاصل کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ "بچوں کے لیے چند نصیحتیں" بیس اشعار کی اسم بامسمّٰی نظم ہے۔

بچوں کی نظمیں

بچے کی دعا

(ماخوذ)

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری!

دور دنیا کا مرے دم سے اندھیرا ہو جائے!
ہر جگہ میرے چمکنے سے اجالا ہو جائے!

ہو مرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب!
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب!

ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
دردمندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا

مرے اللہ! برائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اس رہ پہ چلانا مجھ کو

485
5996

ترانۂ ہندی

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

غربت میں ہوں اگر ہم، رہتا ہے دل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا

پربت وہ سب سے اونچا، ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا، وہ پاسباں ہمارا

گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جن کے دم سے رشک جناں ہمارا

اے آب رود گنگا! وہ دن ہیں یاد تجھ کو؟
اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم، وطن ہے ہندوستاں ہمارا

یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا
کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دور زماں ہمارا
اقبال! کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو درد نہاں ہمارا

ایک مکڑا اور مکھی

(ماخوذ)

اک دن کسی مکھی سے یہ کہنے لگا مکڑا
اس راہ سے ہوتا ہے گزر روز تمھارا
لیکن مری کٹیا کی نہ جاگی کبھی قسمت
بھولے سے کبھی تم نے یہاں پاؤں نہ رکھا
غیروں سے نہ ملیے تو کوئی بات نہیں ہے
اپنوں سے مگر چاہیے یوں کھنچ کے نہ رہنا
آؤ جو مرے گھر میں تو عزت ہے یہ میری
وہ سامنے سیڑھی ہے جو منظور ہو آنا
مکھی نے سنی بات جو مکڑے کی تو بولی
حضرت! کسی نادان کو دیجے گا یہ دھوکا!
اس جال میں مکھی کبھی آنے کی نہیں ہے
جو آپ کی سیڑھی پہ چڑھا، پھر نہیں اترا

مکڑے نے کہا: واہ! فریبی مجھے سمجھے
تم سا کوئی نادان زمانے میں نہ ہوگا
منظور تمھاری مجھے خاطر تھی، وگرنہ
کچھ فائدہ اپنا تو مرا اس میں نہیں تھا
اڑتی ہوئی آئی ہو خدا جانے کہاں سے
ٹھہرو جو مرے گھر میں تو ہے اس میں برا کیا؟
اس گھر میں کئی تم کو دکھانے کی ہیں چیزیں
باہر سے نظر آتا ہے چھوٹی سی یہ کٹیا
لٹکے ہوئے دروازوں پہ باریک ہیں پردے
دیواروں کو آئینوں سے ہے میں نے سجایا
مہمانوں کے آرام کو حاضر ہیں بچھونے
ہر شخص کو ساماں یہ میسر نہیں ہوتا
مکھی نے کہا: خیر! یہ سب ٹھیک ہے لیکن
میں آپ کے گھر آؤں، یہ امید نہ رکھنا!
ان نرم بچھونوں سے خدا مجھ کو بچائے
سو جائے کوئی ان پہ تو پھر اٹھ نہیں سکتا!
مکڑے نے کہا دل میں، سنی بات جو اس کی
پھانسوں اسے کس طرح یہ کم بخت ہے دانا
سو کام خوشامد سے نکلتے ہیں جہاں میں
دیکھو جسے دنیا میں خوشامد کا ہے بندا

یہ سوچ کے مکھی سے کہا اس نے بڑی بی!
اللہ نے بخشا ہے بڑا آپ کو رتبا!
ہوتی ہے اسے آپ کی صورت سے محبت
ہو جس نے کبھی ایک نظر آپ کو دیکھا
آنکھیں ہیں کہ ہیرے کی چمکتی ہوئی کنیاں
سر آپ کا اللہ نے کلغی سے سجایا
یہ حسن، یہ پوشاک، یہ خوبی، یہ صفائی!
پھر اس پہ قیامت ہے یہ اڑتے ہوئے گانا
مکھی نے سنی جب یہ خوشامد تو پسیجی
بولی کہ نہیں آپ سے مجھ کو کوئی کھٹکا
انکار کی عادت کو سمجھتی ہوں برا میں
سچ یہ ہے کہ دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا
یہ بات کہی اور اڑی اپنی جگہ سے
پاس آئی تو مکڑے نے اچھل کر اسے پکڑا
بھوکا تھا کئی روز سے اب ہاتھ جو آئی
آرام سے گھر بیٹھ کے مکھی کو اڑایا

ایک پہاڑ اور گلہری

(ماخوذ از ایمرسن)

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اک گلہری سے
تجھے ہو شرم، تو پانی میں جا کے ڈوب مرے
ذرا سی چیز ہے، اس پر غرور! کیا کہنا!
یہ عقل اور یہ سمجھ، یہ شعور! کیا کہنا!
خدا کی شان ہے ناچیز چیز بن بیٹھیں!
جو بے شعور ہوں یوں باتمیز بن بیٹھیں!
تری بساط ہے کیا میری شان کے آگے؟
زمیں ہے پست مری آن بان کے آگے
جو بات مجھ میں ہے تجھ کو وہ ہے نصیب کہاں
بھلا پہاڑ کہاں، جانور غریب کہاں!
کہا یہ سن کے گلہری نے، منہ سنبھال ذرا
یہ کچی باتیں ہیں دل سے انھیں نکال ذرا!

جو میں بڑی نہیں تیری طرح تو کیا پروا
نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا

ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
کوئی بڑا، کوئی چھوٹا، یہ اس کی حکمت ہے

بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اس نے
مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اس نے

قدم اٹھانے کی طاقت نہیں ذرا تجھ میں
نری بڑائی ہے! خوبی ہے اور کیا تجھ میں

جو تو بڑا ہے تو مجھ سا ہنر دکھا مجھ کو
یہ چھالیا ہی ذرا توڑ کر دکھا مجھ کو

نہیں ہے چیز نکمّی کوئی زمانے میں
کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

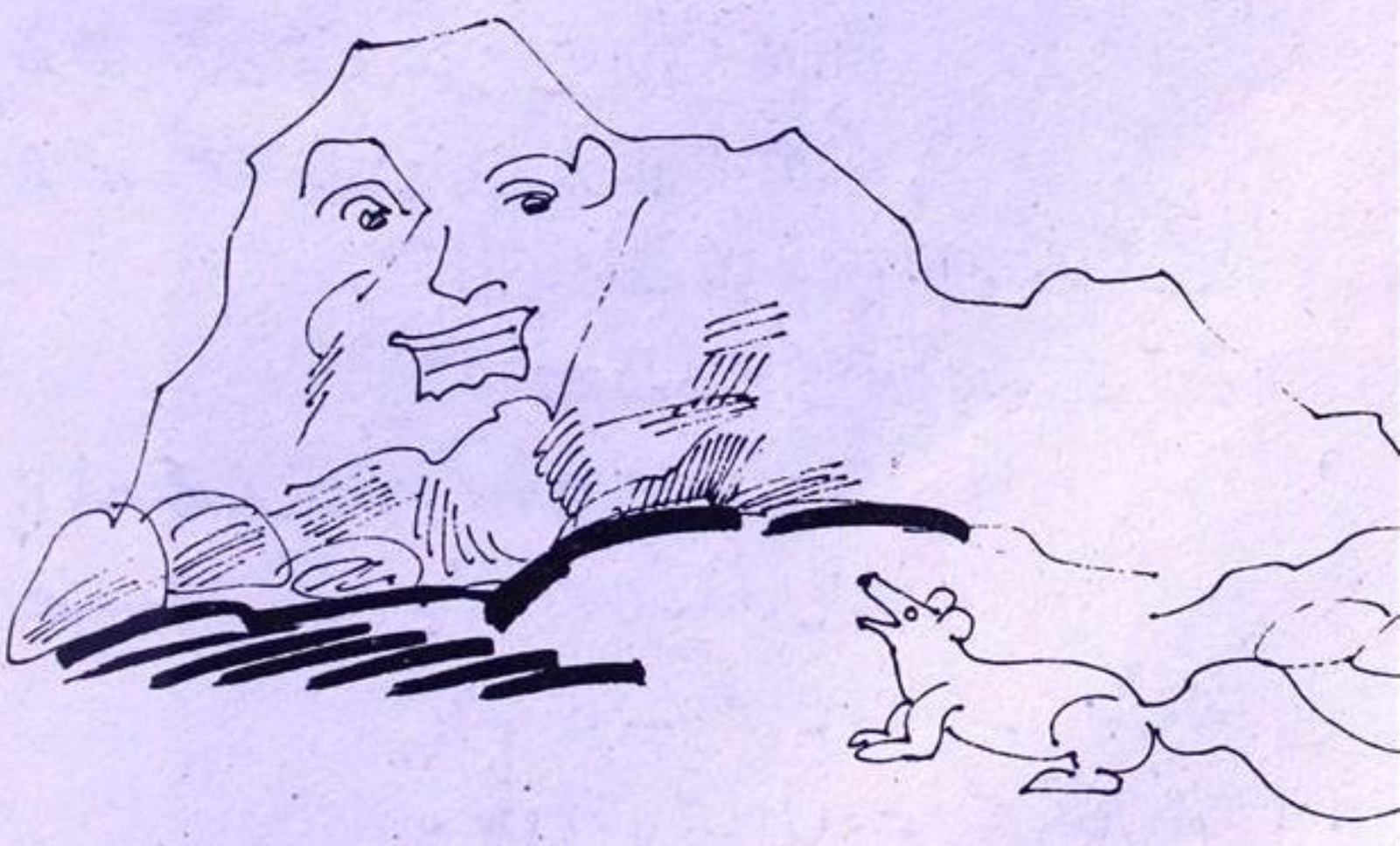

ایک گائے اور بکری

(ماخوذ)

اک چراگہ ہری بھری تھی کہیں
تھی سراپا بہار جس کی زمیں
کیا سماں اس بہار کا ہو بیاں
ہر طرف صاف ندیاں تھیں رواں
تھے اناروں کے بے شمار درخت
اور پیپل کے سایہ دار درخت
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی تھیں
طائروں کی صدائیں آتی تھیں
کسی ندی کے پاس اک بکری
چرتے چرتے کہیں سے آ نکلی
جب ٹھہر کر اِدھر اُدھر دیکھا
پاس اک گائے کو کھڑے پایا

پہلے جھک کر اسے سلام کیا
پھر سلیقے سے یوں کلام کیا

کیوں بڑی بی! مزاج کیسے ہیں؟
گائے بولی کہ خیر اچھے ہیں

کٹ رہی ہے بری بھلی اپنی
ہے مصیبت میں زندگی اپنی

جان پر آ بنی ہے، کیا کہیے
اپنی قسمت بری ہے، کیا کہیے

دیکھتی ہوں خدا کی شان کو میں
رو رہی ہوں بروں کی جان کو میں

زور چلتا نہیں غریبوں کا
پیش آیا لکھا نصیبوں کا

آدمی سے کوئی بھلا نہ کرے
اس سے پالا پڑے، خدا نہ کرے

دودھ کم دوں تو بڑبڑاتا ہے
ہوں جو دبلی، تو بیچ کھاتا ہے

ہتھکنڈوں سے غلام کرتا ہے
کن فریبوں سے رام کرتا ہے

اس کے بچوں کو پالتی ہوں میں
دودھ سے جان ڈالتی ہوں میں

بدلے نیکی کے یہ برائی ہے
میرے اللہ! تری دہائی ہے!!

سن کے بکری یہ ماجرا سارا
بولی، ایسا گلہ نہیں اچھا
بات سچی ہے بے مزا لگتی
میں کہوں گی مگر خدا لگتی

یہ چراگہ، یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
یہ ہری گھاس اور یہ سایا
ایسی خوشیاں ہمیں نصیب کہاں!
یہ کہاں، بے زباں غریب کہاں!

یہ مزے آدمی کے دم سے ہیں
لطف سارے اسی کے دم سے ہیں
اس کے دم سے ہے اپنی آبادی
قید ہم کو بھلی، کہ آزادی؟

سو طرح کا بنوں میں ہے کھٹکا
واں کی گزران سے بچائے خدا!
ہم پہ احسان ہے بڑا اس کا
ہم کو زیبا نہیں گلہ اس کا

قدر آرام کی اگر سمجھو
آدمی کا کبھی گلہ نہ کرو

گائے سن کر یہ بات شرمائی
آدمی کے گلے سے پچھتائی

دل میں پرکھا بھلا برا اس نے
اور کچھ سوچ کر کہا اس نے

یوں تو چھوٹی ہے ذات بکری کی
دل کو لگتی ہے بات بکری کی

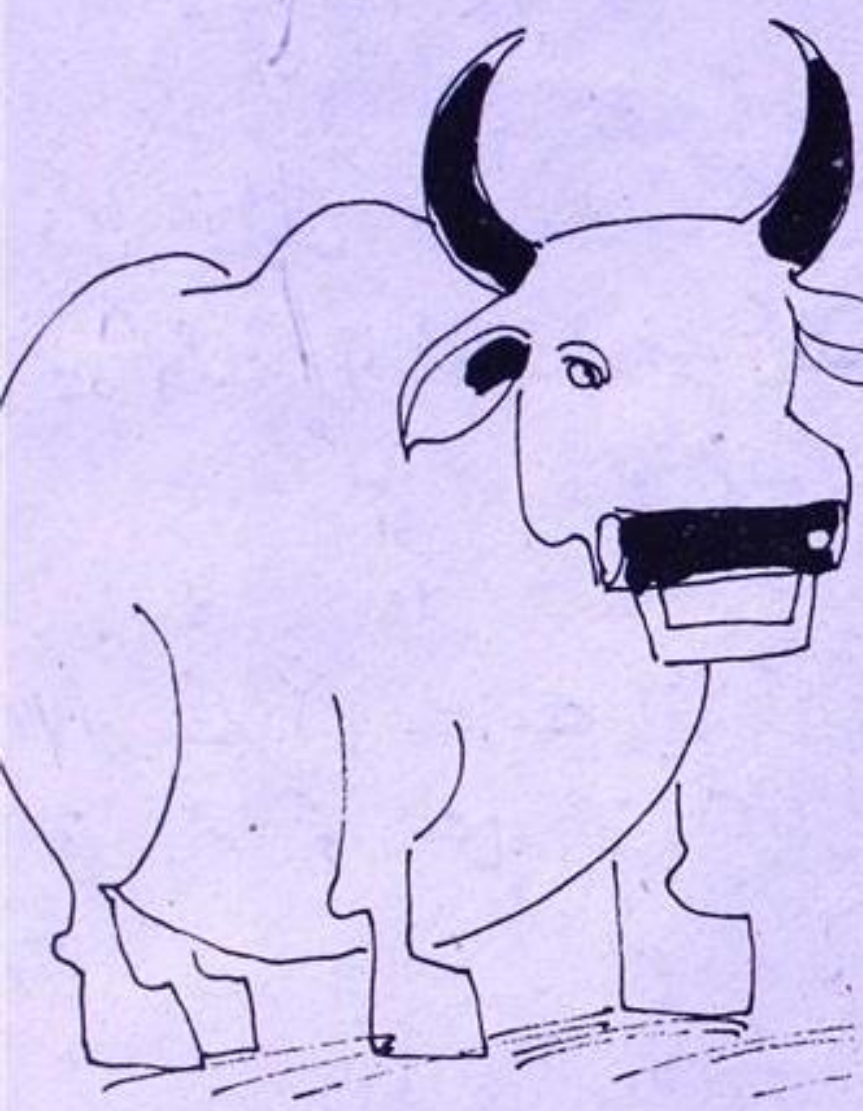

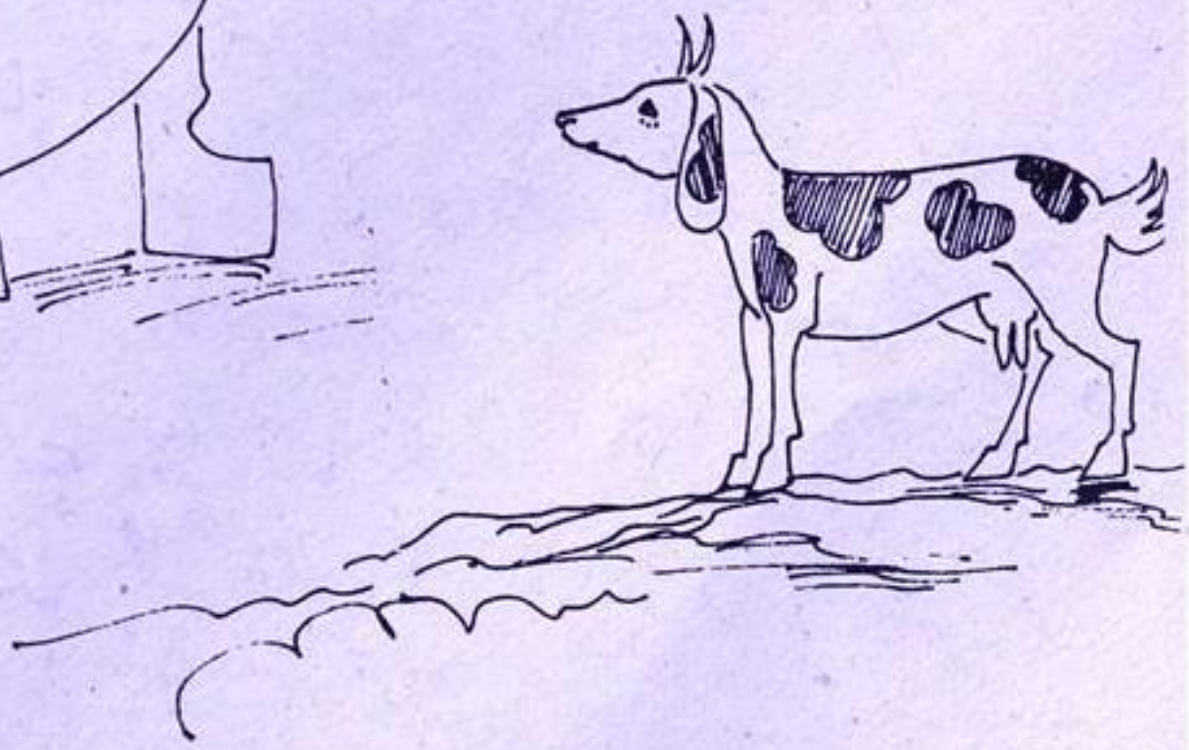

ہمدردی

(ماخوذ از ولیم کوپر)

ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا
بلبل تھا کوئی اداس بیٹھا
کہتا تھا کہ رات سر پہ آئی
اڑنے چگنے میں دن گزارا
پہنچوں کس طرح آشیاں تک
ہر چیز پہ چھا گیا اندھیرا
سن کر بلبل کی آہ و زاری
جگنو کوئی پاس ہی سے بولا
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے
کیڑا ہوں اگرچہ میں ذرا سا
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری
میں راہ میں روشنی کروں گا
اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل
چمکا کے مجھے دیا بنایا
ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

ماں کا خواب

(ماخوذ)

میں سوئی جو اک شب تو دیکھا یہ خواب
بڑھا اور جس سے مرا اضطراب
یہ دیکھا کہ میں جا رہی ہوں کہیں
اندھیرا ہے اور راہ ملتی نہیں
لرزتا تھا ڈر سے مرا بال بال
قدم کا تھا دہشت سے اٹھنا محال
جو کچھ حوصلہ پا کے آگے بڑھی
تو دیکھا قطار ایک لڑکوں کی تھی
زمرد سی پوشاک پہنے ہوئے
دیے سب کے ہاتھوں میں جلتے ہوئے
وہ چپ چاپ تھے آگے پیچھے رواں
خدا جانے جانا تھا ان کو کہاں

اسی سوچ میں تھی کہ میرا پسر
مجھے اس جماعت میں آیا نظر

وہ پیچھے تھا اور تیز چلتا نہ تھا
دیا اس کے ہاتھوں میں جلتا نہ تھا

کہا میں نے پہچان کر میری جاں!
مجھے چھوڑ کر آگئے تم کہاں؟

جدائی میں رہتی ہوں میں بے قرار
پروتی ہوں ہر روز اشکوں کے ہار

نہ پروا ہماری ذرا تم نے کی
گئے چھوڑ، اچھی وفا تم نے کی

جو بچے نے دیکھا مرا پیچ و تاب
دیا اس نے منہ پھیر کر یوں جواب

رلاتی ہے تجھ کو جدائی مری
نہیں اس میں کچھ بھی بھلائی مری

یہ کہہ کر وہ کچھ دیر تک چپ رہا
دیا پھر دکھا کر یہ کہنے لگا

سمجھتی ہے تو ہوگیا کیا اسے؟
ترے آنسوؤں نے بجھایا اسے!

پرندے کی فریاد

آتا ہے یاد مجھ کو گذرا ہوا زمانہ
وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چہچہانا

آزادیاں کہاں وہ اب اپنے گھونسلے کی
اپنی خوشی سے آنا اپنی خوشی سے جانا

لگتی ہے چوٹ دل پر، آتا ہے یاد جس دم
شبنم کے آنسوؤں پر کلیوں کا مسکرانا

وہ پیاری پیاری صورت، وہ کامنی سی مورت
آباد جس کے دم سے تھا میرا آشیانا

آتی نہیں صدائیں اس کی مرے قفس میں
ہوتی مری رہائی اے کاش میرے بس میں

کیا بد نصیب ہوں میں گھر کو ترس رہا ہوں
ساتھی تو ہیں وطن میں، میں قید میں پڑا ہوں

آئی بہار کلیاں پھولوں کی ہنس رہی ہیں
میں اس اندھیرے گھر میں قسمت کو رو رہا ہوں

اس قید کا الٰہی دکھڑا کسے سناؤں
ڈر ہے یہیں قفس میں، میں غم سے مر نہ جاؤں

جب سے چمن چھٹا ہے یہ حال ہو گیا ہے
دل غم کو کھا رہا ہے، غم دل کو کھا رہا ہے

گانا اسے سمجھ کر خوش ہو نہ سننے والے
دکھے ہوئے دلوں کی فریاد یہ صدا ہے

آزاد مجھ کو کر دے او قید کرنے والے
میں بے زباں ہوں قیدی، تو چھوڑ کر دعا لے!

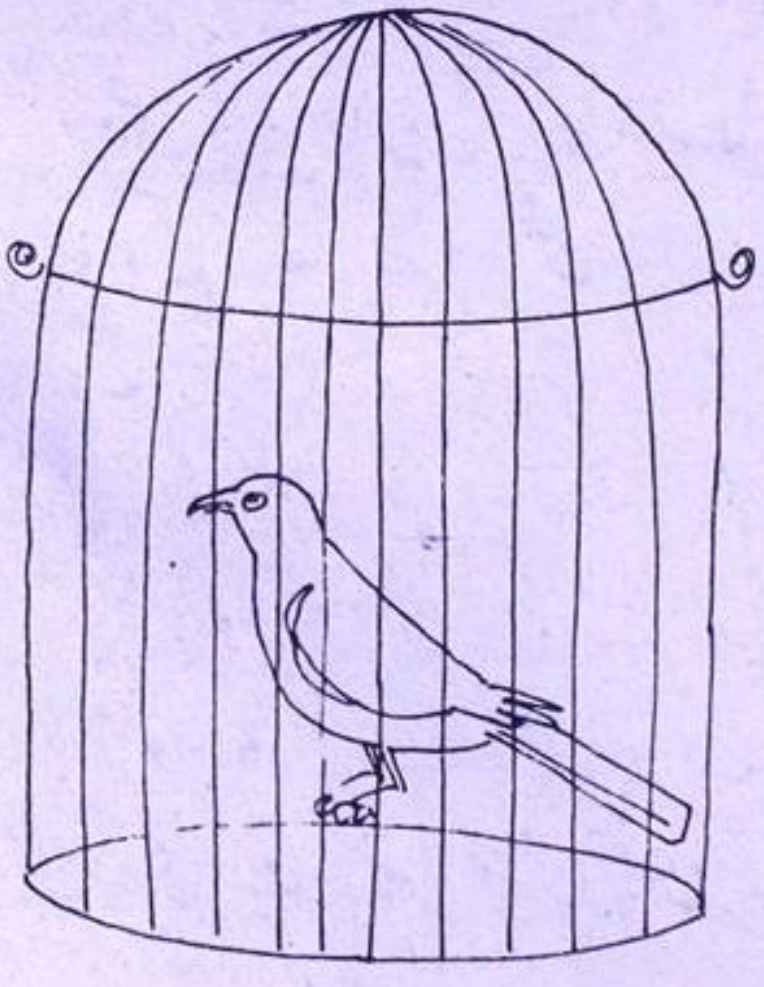

ہندوستانی بچوں کا قومی گیت

چشتی نے جس زمیں میں پیغام حق سنایا
نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا
جس نے حجازیوں سے دشت عرب چھڑایا
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

یونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا
سارے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا
مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا
ترکوں کا جس نے دامن ہیروں سے بھر دیا تھا
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے
پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے
وحدت کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکاں سے
میر عربؐ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

بندے کلیم جس کے، پربت جہاں کے سینا
نوح نبی کا آکر ٹھہرا جہاں سفینا
رفعت ہے جس زمیں کی بام فلک کا زینا
جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

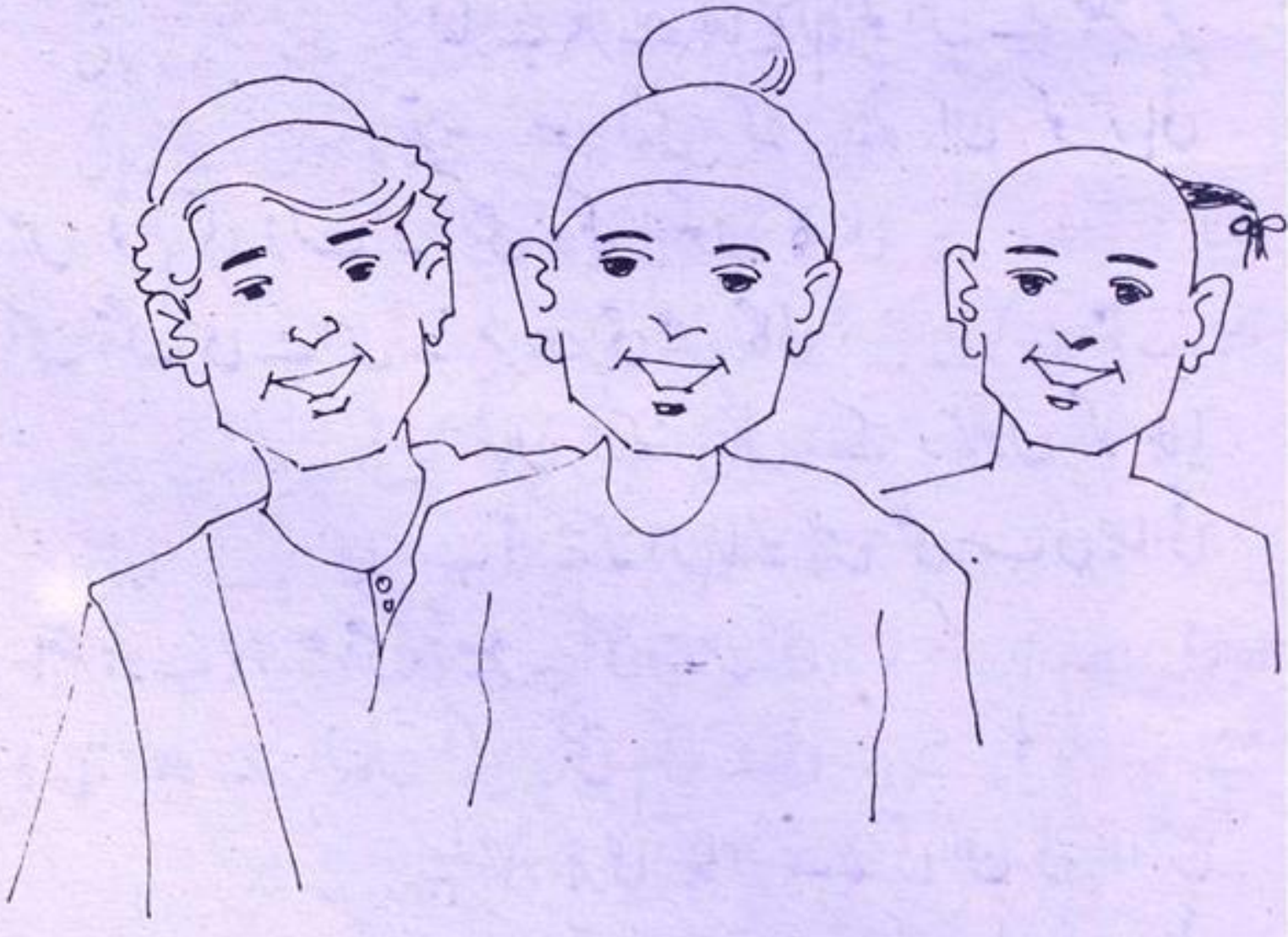

گھوڑوں کی مجلس

اک روز کسی گھوڑے کے دل میں یہ سمائی
انسان مری قوم سے کرتا ہے برائی
رکھا ہے مرے بھائیوں کو اس نے جکڑ کر
تدبیر ہو ایسی کہ ملے ان کو رہائی
میں قوم کی ذلت نہ کبھی دیکھ سکوں گا
اک آگ سی ہے اس نے مرے جی میں لگائی
یہ ٹھان کے جنگل کے رفیقوں کو بلایا
سب آئے کہ اس بات میں تھی سب کی بھلائی
حاضر ہوئے بوڑھے بھی، بچھیرے بھی، جواں بھی
دیتے ہوئے انسان کی سختی کی دہائی
پہلے تو ہری گھاس سے کی ان کی تواضع
مہمانوں کو پھر بات، جو تھی دل کی، بتائی

اک گوڑے کو کرسی پہ صدارت کی بٹھا کر
سب نے یہ کہا آپ کریں راہنمائی

ہونے لگا گھوڑوں کا بڑی دھوم سے جلسہ
دینے لگی، اس قوم کی اک شان، دکھائی

کچھ دیر تو ہوتی رہیں آپس میں صلاحیں
ہر ایک نے تدبیر رہائی کی بتائی

مجلس سے اٹھا آخر کار ایک بچھیرا
اور اٹھ کے متانت سے زباں اپنی ہلائی

تقریر پہ سو جان سے صدقے تھی فصاحت
تھی گھوڑے کی باتوں میں قیامت کی صفائی

بولا کہ مری قوم میں غیرت نہیں باقی
کس طرح ہو پھر غیر کے ہاتھوں سے رہائی

جینا جو ہمارا ہے ذلت کا ہے وہ جینا
ہم نے تو بزرگوں کی بھی عزت ہے گنوائی

ہم گاڑیاں انسان کی کھینچیں، یہ غضب ہے
محنت کریں ہم اور یہ کھا جائے کمائی

سردی سے رہیں ہم تو طویلوں میں ٹھٹھرتے
لیٹے یہ حویلی میں، لیے گرم رضائی

گھڑ دوڑ میں ہم اپنا بہاتے ہیں پسینہ
جو اس کی بھلائی ہے، وہ ہے اپنی برائی

کیا کہیے، مصیبت ہمیں پڑ جاتی ہے کیسی
ہو جائے جو ظالم کے قبیلوں میں لڑائی

لوہے کی لگامیں ہیں تو چمڑے کی ہے چابک
افسوس کہ غیرت نہ مری قوم کو آئی

روئے کوئی اس قوم کے دکھڑے کو کہاں تک
ہم سمجھے ہیں، اے وائے غلامی میں بڑائی

اے قوم! یہ اچھا نہیں ہر روز کا جلنا
زیبا ہے ہمیں قید سے انساں کی نکلنا

تقریر ہوئی ختم تو بیٹھا وہ بچھیرا
ہر گھوڑے نے مجلس میں دلیلوں کو سراہا

ہر بات بچھیرے کی سراہی گئی لیکن
کچھ کہنے پہ آمادہ تھا اک اور بھی گھوڑا

لاغر تھا بہت گرچہ بڑھاپے کے سبب سے
اٹھا کہ اسے قوم کو تھا راہ پہ لانا

بولا کہ مرے دوست کی باتیں ہیں بہت خوب
پر جوش جوانی نے کیا ہے اسے اندھا

مانا کے اسے قوم کی ذلت نہیں بھاتی
بچہ ہے، ابھی اس نے زمانہ نہیں دیکھا

ہے زور دیا آپ نے انساں کے ستم پر
تقریر کو ہے خوب مثالوں سے سجایا

سختی سے ہمیں پیش وہ آتا ہے، یہ مانا
سختی میں جو راحت ہو تو سختی ہے گوارا

انسان کے احسان کو سمجھا نہیں تم نے
دیتا ہے طویلوں میں تمھیں وقت پہ دانا

رہنے کو طویلوں میں سمجھتے ہو برا تم
جنگل کی رہائش میں ہے سو طرح کا کھٹکا

دن رات وہاں گھات میں رہتے ہیں درندے
پینے کا جو پانی ہے وہ اکثر نہیں ملتا

ہے قید میں انسان کی، راحت ہی سراسر
ہر حال میں ہے اس کی غلامی ہمیں زیبا

دن آتے ہیں ایسے بھی کہ بارش کی کمی سے
ہو گھاس نہ پیدا تو یہ رکھتا ہے ذخیرا

یہ آپ پہنتا ہے جو کم خواب کے کپڑے
زربفت کی جھولوں سے ہے تم کو بھی سجاتا

بیمار جو ہو جاؤ تو کرتا ہے دوا بھی
کرتا ہے ہمارے لیے نقصاں بھی گوارا

گھڑ دوڑ کے گھوڑوں کی جو ہوتی ہے تواضع
آرام وہ حیواں کو میسر نہیں ہوتا

آرام ہیں لاکھوں ہمیں انسان کے دم سے
میرا تو شکایت پہ کبھی لب نہ کھلے گا

میں نے تو بتادی ہے تمھیں سب کے بھلے کی
مانے جو نہ کوئی تو مجھے کچھ نہیں پروا

ان باتوں سے حیران سے کچھ رہ گئے گھوڑے
تقریر وہ کی اس نے کہ جادو تھی سراپا

سب مان گئے، دور شکایت ہوئی سب کی
تھی بوڑھے کی تقریر میں تاثیر غضب کی

IQBAL LIBRARY BHOPAL

شہد کی مکھی

اس پھول پہ بیٹھی، کبھی اس پھول پہ بیٹھی
بتلاؤ تو، کیا ڈھونڈتی ہے شہد کی مکھی؟
کیوں آتی ہے، کیا کام ہے گلزار میں اس کا؟
یہ بات جو سمجھاؤ تو سمجھیں تمھیں دانا
چہکارتے پھرتے ہیں جو گلشن میں پرندے
کیا شہد کی مکھی کی ملاقات ہے ان سے؟
عاشق ہے یہ قمری کی، کہ بلبل پہ ہے شیدا؟
یا کھینچ کے لاتا ہے اسے سیر کا چسکا؟
دل باغ کی کلیوں سے تو اٹکا نہیں اس کا؟
بھاتا ہے اسے ان کے چٹکنے کا تماشا
سبزے سے ہے کچھ کام کہ مطلب ہے صبا سے؟
یا پیار ہے گلشن کے پرندوں کی صدا سے؟

بھاتا ہے اسے پھول پہ بلبل کا چہکنا؟
یا سرو پہ بیٹھے ہوئے قمری کا یہ گانا؟
پیغام کوئی لاتی ہے بلبل کی زبانی؟
یا کہتی ہے یہ پھول کے کانوں میں کہانی؟
کیوں باغ میں آتی ہے، یہ بتلاؤ تو جانیں
کیا کہنے کو آتی ہے، یہ سمجھاؤ تو جانیں
بے وجہ تو آخر کوئی آنا نہیں اس کا
ہشیار ہے مکھی، اسے غافل نہ سمجھنا
بے سود نہیں، باغ میں اس شوق سے اڑنا
کچھ کھیل میں یہ وقت گنواتی نہیں اپنا
کرتی نہیں کچھ کام اگر عقل تمھاری
ہم تم کو بتاتے ہیں، سنو بات ہماری
کہتے ہیں جسے شہد، وہ اک طرح کا رس ہے
آوارہ اسی چیز کی خاطر یہ مگس ہے
رکھا ہے خدا نے اسے پھولوں میں چھپا کر
مکھی اسے لے جاتی ہے، چھتے میں، اڑا کر
ہر پھول سے یہ چوستی پھرتی ہے اسی کو
یہ کام بڑا ہے، اسے بے سود نہ جانو
مکھی یہ نہیں ہے، کوئی نعمت ہے خدا کی
ملتا نہ ہمیں شہد، یہ مکھی جو نہ ہوتی

اس شہد کو پھولوں سے اڑاتی ہے یہ مکھی
خود کھاتی ہے، اوروں کو کھلاتی ہے یہ مکھی

انسان کی، یہ چیز غذا بھی ہے، دوا بھی
قوت ہے اگر اس میں، تو ہے اس میں شفا بھی

رکھتے ہو اگر ہوش تو اس بات کو سمجھو
تم شہد کی مکھی کی طرح علم کو ڈھونڈو

یہ علم بھی اک شہد ہے اور شہد بھی ایسا
دنیا میں نہیں شہد کوئی اس سے مصفا

ہر شہد سے، جو شہد ہے میٹھا، وہ یہی ہے
کرتا ہے جو انسان کو دانا، وہ یہی ہے

یہ عقل کے آئینے کو دیتا ہے صفائی
یہ شہد ہے انساں کی، وہ مکھی کی کمائی

سچ سمجھو تو انسان کی عظمت ہے اسی سے
اس خاک کے پتلے کو سنوارا ہے اسی نے

پھولوں کی طرح اپنی کتابوں کو سمجھنا
چسکا ہو اگر تم کو بھی کچھ علم کے رس کا

جہاں تک ہو سکے، نیکی کرو

کہتے ہیں ایک سال نہ بارش ہوئی کہیں
گرمی سے آفتاب کی تپنے لگی زمیں
تھا آسمان پر نہ کہیں ابر کا نشاں
پانی ملا نہ جب تو ہوئیں خشک کھیتیاں
لالے پڑے تھے جان کے ہر جان دار کو
اجڑے چمن، ترستے ترستے بہار کو
منہ تک رہی تھی خشک زمیں آسمان کا
امید ساتھ چھوڑ چکی تھی کسان کا
بارش کی کچھ امید نہ تھی اس غریب کو
یہ حال تھا کہ جیسے کوئی سوگوار ہو
اک دن جو اپنے کھیت میں آکر کھڑا ہوا
پودوں کا حال دیکھ کے بے تاب ہو گیا

ہر بار آسماں کی طرف دیکھتا تھا وہ
بارش کے انتظار میں گھبرا رہا تھا وہ

ناگاہ ایک ابر کا ٹکڑا نظر پڑا
لاتی تھی اپنے ساتھ اڑا کر جسے ہوا

پانی کی ایک بوند نے تاکا اِدھر اُدھر
بولی وہ، اس کسان کی حالت کو دیکھ کر

"ویران ہوگئی ہے جو کھیتی غریب کی
ہے آسمان پر نظر اس بد نصیب کی

دل میں یہ آرزو ہے کہ اس کا بھلا کروں
یعنی برس کے کھیت کو اس کے ہرا کروں"

بوندوں نے جب سنی، یہ سہیلی کی گفتگو
ہنس کر دیا جواب کہ "اللہ رے آرزو!

تو اک ذرا سی بوند ہے اتنا بڑا یہ کھیت
تیرے ذرا سے نم سے نہ ہوگا ہرا یہ کھیت

تیری بساط کیا ہے کہ اس کو ہرا کرے
ہو خود جو ہیچ، کیا وہ کسی کا بھلا کرے"

اس بوند نے مگر یہ بگڑ کر دیا جواب
کہہ دی وہ بات، جس نے کیا سب کو لاجواب

"مانا کہ ایک بوند ہوں، دریا نہیں ہوں میں
قطرہ ذرا سا ہوں کوئی چھینٹا نہیں ہوں میں

مانا کہ میرا نم کوئی دریا کا نم نہیں
ہمت تو میری بحر کی ہمت سے کم نہیں
نیکی کی راہ میں کبھی ہمت نہ ہاریے
مقدور ہو تو عمر اسی میں گزاریے

قربان اپنی جان کروں گی کسان پر
کیا لوں گی میں ٹھہر کے یہاں آسمان پر
نیکی کے کام سے کبھی رکنا نہ چاہیے
اس میں کسی کے ساتھ کی پروا نہ چاہیے

لو، میں چلی" یہ کہہ کے روانہ ہوئی وہ بوند
بوندوں کی انجمن میں یگانہ ہوئی وہ بوند
ٹپ دے سے اس کی ناک پہ وہ بوند گر پڑی
سوکھی ہوئی، کسان کے دل کی کلی کھلی

دیکھا سہیلیوں نے تو حیران ہو گئیں
ہمت کے اس کمال پہ کی سب نے آفریں
بولیں کہ چاہیے نہ سہیلی کو چھوڑنا
اچھا نہیں ہے منہ کو رفاقت سے موڑنا

ساتھی کے ساتھ سب کو برسنا ضرور ہے
گر ہم نہ ساتھ دیں تو مروت سے دور ہے
یہ کہہ کے ایک ساتھ وہ بوندیں رواں ہوئیں
چھینٹا سا بن کے کھیت کے اوپر برس گئیں

قسمت کھلی کسان کی، بگڑی ہوئی بنی
سوکھی ہوئی غریب کی کھیتی ہری ہوئی

پھر سامنے نظر کے بندھا آس کا سماں
تھی آس، آس پاس گیا یاس کا سماں

اجڑ ہوا جو کھیت تھا، آخر ہرا ہوا
سارا یہ ایک بوند کی ہمت کا کام تھا

دیکھی گئی نہ اس سے مصیبت کسان کی
بے تاب ہو کے کھیت پہ اس کے برس گئی

ننھی سی بوند اور یہ ہمت، خدا کی شان!
یہ فیض، یہ کرم، یہ مروت، خدا کی شان!

چاند اور شاعر

شاعر:

اک رات میرے دل میں جو کچھ آگیا خیال
یوں چودھویں کے چاند سے میں نے کیا سوال
اے چاند! تجھ سے رات کی عزت ہے لاج ہے
سورج کا راج دن کو، ترا شب کو راج ہے
تو نے یہ آسمان کی محفل سجائی ہے
تو نے زمیں کو نور کی چادر اڑھائی ہے
تو وہ دیا ہے جس سے زمانے میں نور ہے
ہے تو فلک پہ، نور ترا دور دور ہے
پھیکی پڑی ہوئی ہے ستاروں کی روشنی
گویا کہ اس چمن پہ خزاں کی ہوا چلی
تیری چمک کے سامنے شرما گئے ہیں یہ
تیری ہوا بندھی ہے تو مرجھا گئے ہیں یہ

اس وقت تیرے سامنے سورج بھی مات ہے
دولھا ہے تو، نجوم کی محفل برات ہے
پائی ہے چاندنی یہ کہاں سے، بتا مجھے
یہ نور، یہ کمال، کہاں سے ملا تجھے
مجھ کو بھی آرزو ہے کہ ایسا کمال ہو
تیری طرح کمال مرا بے مثال ہو
روشن ہو میرے دم سے زمانہ اسی طرح
دنیا میں اپنا نام نکالوں تری طرح
حاصل کروں کمال، بنوں چودھویں کا چاند
تو ہے فلک کا چاند، بنوں میں زمیں کا چاند
ہر ایک کی نظر میں سماؤں اسی طرح
شہرت کے آسمان پہ چمکوں اسی طرح

چاند:
میرا سوال سن کے کہا چاند نے مجھے
لے بھید اپنے نور کا کہتا ہوں میں تجھے
سورج اگر نہ ہو تو گزارا نہیں مرا
مانگا ہوا ہے نور، یہ اپنا نہیں مرا
سورج کے دم سے مجھ کو یہ حاصل کمال ہے
کامل اسی کے نور سے میرا ہلال ہے

پھرتا ہوں روشنی کی تمنا میں رات دن
رہتا ہوں میں کمال کے سودا میں رات دن

مجھ کو اڑائے پھرتی ہے خواہش کمال کی
کر پیروی جہان میں میری مثال کی

بے فائدہ نہ اپنے دنوں کو خراب کر
میری طرح تلاش کوئی آفتاب کر

کہتے ہیں جس کو علم وہ اک آفتاب ہے
یکتا ہے، بے مثال ہے اور لا جواب ہے

ایسے کمال کی ہے تمنا اگر تجھے
تو نور، جا کے، مانگ اسی آفتاب سے

ہے چاند کے کمال کو خطرہ زوال کا
رہتا ہے ہر گھڑی اسے دھڑکا زوال کا

محفوظ اس خطر سے ہنر کا کمال ہے
گھٹنے کا اس کو ڈر ہے نہ خوف زوال ہے

دنیا میں زندگی کا نہیں اعتبار کچھ
رہتی ہے اس چمن میں ہمیشہ بہار کچھ؟

انساں کو فکر چاہیے ہر دم کمال کی
"کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی"

محنت

وہی لوگ پاتے ہیں عزت زیادہ
جو کرتے ہیں دنیا میں محنت زیادہ

اسی میں ہے عزت خبر دار، رہنا
بڑا دکھ ہے دنیا میں بیکار رہنا

اسی سے ہے آباد نگری جہاں کی
یہ دنیا میں بنیاد ہے ہر مکاں کی

بڑائی بشر کو اسی سے ملی ہے
نکمّی جو گزرے وہ کیا زندگی ہے

زمانے میں عزت، حکومت یہی ہے
بڑی سب سے دنیا میں دولت یہی ہے

حقیقت جو محنت کی پہچانتے ہیں
اسے کیمیا سے سوا جانتے ہیں

کوئی بڑھ کے محنت سے سونا نہیں ہے
کہ اس زر کو چوری کا کھٹکا نہیں ہے

ہری کھیتیاں جو نظر آرہی ہیں
ہمیں شان محنت کی دکھلا رہی ہیں

نہیں کرتے دنیا میں نادان محنت
جو سمجھیں تو سونے کی، ہے کان محنت

اسی سے زمانے میں دولت بڑھے گی
جو دولت بڑھے گی تو عزت بڑھے گی

کوئی اس کو سمجھے تو اکسیر ہے یہ
بڑا بن کے رہنے کی تدبیر ہے یہ

یہ کل وہ ہے، چلتے ہیں سب کام جس سے
نکلتا ہے انسان کا نام جس سے

جو محنت نہ ہوتی تجارت نہ ہوتی
کسی قوم کی شان و شوکت نہ ہوتی

سہارا ہمارا تمھارا یہی ہے
اندھیرے گھروں کا اجالا یہی ہے

بڑے کام کی چیز ہے کام کرنا
جہاں کو، اسی کام سے رام کرنا

گڈریوں کو شاہنشہی اس نے دی ہے
کولمبس کو دنیا نئی، اس نے دی ہے

کھڑا ہے یہ سنسار محنت کی کل پر
یہ سب کار خانہ اسی کل کے بل پر

بناتی ہے یہ شہر نگری، بنوں کو
بساتی ہے، اجڑی ہوئی بستیوں کو

جو ہاتھوں سے اپنے کمایا وہ اچھا
جو ہو اپنی محنت کا پیسہ وہ اچھا

مری جان! غافل نہ محنت سے رہنا
اگر چاہتے ہو فراغت سے رہنا

بچوں کے لیے چند نصیحتیں

کاٹ لینا ہر کٹھن منزل کا کچھ مشکل نہیں
اک ذرا انسان میں چلنے کی ہمت چاہیے

مل نہیں سکتی زمانے میں نکموں کو مراد
کامیابی کی جو ہو خواہش، تو محنت چاہیے

خاک محنت ہو سکے گی، ہو نہ جب ہاتھوں میں زور
تندرستی کے لیے ورزش کی عادت چاہیے

خوش مزاجی سا زمانے میں کوئی جادو نہیں
ہر کوئی تحسیں کہے، ایسی طبیعت چاہیے

ہنس کے ملنا، رام کر لیتا ہے ہر انسان کو
سب سے میٹھا بولنے کی تم کو عادت چاہیے

ایک ہی اللہ کے بندے ہیں سب چھوٹے بڑے
اپنے ہم جنسوں سے دنیا میں محبت چاہیے

ہے برائی سے برائی کام کل پر چھوڑنا
آج سب کچھ کر کے اٹھو، گر فراغت چاہیے

جو بروں کے پاس بیٹھے گا برا ہو جائے گا
نیک ہونے کے لیے نیکوں کی صحبت چاہیے

ساتھ والے، دیکھنا، تم سے نہ بڑھ جائیں کہیں
جوش ایسا چاہیے، ایسی ہمت چاہیے

حکمراں ہو، کوئی ہو، اپنا ہو یا بیگانہ ہو
دی خدا نے جس کو عزت، اس کی عزت چاہیے

دیکھ کر چلنا، کچل جائے نہ چیونٹی راہ میں
آدمی کو بے زبانوں سے بھی الفت چاہیے

ہے اسی میں بھید عزت کا اگر سمجھے کوئی
چھوٹے بچوں کو بزرگوں کی اطاعت چاہیے

علم کہتے ہیں جسے، سب سے بڑی دولت ہے یہ
ڈھونڈ لو اس کو، اگر دنیا میں عزت چاہیے

سب برا کہتے ہیں لڑنے کو بری عادت ہے یہ
ساتھ کے لڑکے جو ہوں، ان سے رفاقت چاہیے

ہوں جماعت میں شرارت کرنے والے بھی اگر
دور کی ان سے فقط صاحب سلامت چاہیے

دیکھنا، آپس میں پھر نفرت نہ ہو جائے کہیں
اس قدر حد سے زیادہ بھی نہ ملت چاہیے

باپ دادوں کی بڑائی پر نہ اترانا کبھی
سب بڑائی، اپنی محنت کی بدولت چاہیے

چاہتے ہو گر کہ سب چھوٹے بڑے عزت کریں
شرم آنکھوں میں نگاہوں میں مروت چاہیے

بات اونچی ذات میں بھی کوئی اترانے کی ہے؟
آدمی کو اپنے کاموں کی شرافت چاہیے

گر کتابیں ہو گئیں میلی تو کیا پڑھنے کا لطف
کام کی چیزیں ہیں جو، ان کی حفاظت چاہیے

عادل اسیر دہلوی کا تالیف کردہ کتابچہ "بچوں کے اقبال" اپنی افادیت کے اعتبار سے نہایت منفرد اور تمایاں کارنامہ ہے۔ اس کا پہلا باب علامہ حیات پر مشتمل ہے جس میں مولف نے بچوں کو علامہ اقبال اور ان کے خاندان کے بارے میں بہت سی معلومات فراہم کی ہیں۔ دوسرے باب میں بچوں سے متعلق علامہ اقبال کی شاعری پر ایک سرسری نظر ڈالی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ علامہ اقبال کو بچوں سے کس قدر گہری دلچسپی تھی۔ انھوں نے بچوں کے لیے جو نصیحت آموز نظمیں لکھی ہیں وہ سب بچوں سے ان کی محبت کی غماز ہیں۔

علامہ اقبال نے بچوں کے لیے جو نظمیں لکھی تھی ان میں سے کچھ نظمیں تو ان کے مجموعہ کلام "بانگ درا" میں شامل ہیں لیکن کچھ نظمیں شائع نہیں ہو سکی تھی۔ جناب عادل اسیر دہلوی نے ان غیر مطبوعہ نظموں کو بھی تلاش کر کے زیر نظر کتابچے میں شامل کر دیا ہے۔ ہم ان کے اس عمل کو ان کے ذوق تحقیق کا نتیجہ قرار دے سکتے ہیں۔ ان کی اس تحقیق کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ غیر مطبوعہ نظمیں بھی اپنے طور پر مخصوص اہمیت کی حامل ہیں۔

تیسرا باب علامہ کی نظموں پر مشتمل ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب نظمیں اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی اخلاقیاتی اقدار سے آگہی کے ساتھ انسانی اقدار کو بھی بطرز احسن اُجاگر کرتی ہیں اور نہ صرف مسلمان بچوں کے لیے بلکہ تمام بچوں کے لیے نہایت مفید اور سبق آموز ہیں۔

علامہ اور ان کے خاندانی حالات یا بچوں سے علامہ کی محبت سے متعلق ابواب میں نہایت آسان اور سلیس زبان استعمال کی گئی ہے اور اس بات کا بطور خاص خیال رکھا گیا ہے کہ بچے عبارت کو پوری طرح سمجھ سکیں اور ممکنہ حد تک استفادہ کر سکیں۔ بلاشبہ بچوں کے ادب کے سلسلے میں یہ ایک قابل قدر کارنامہ ہے۔

شہید حکیم محمد سعیدؒ (اپریل ۱۹۹۷ء)